ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

# سحرِ یوسفی کا نقشِ ثانی: ''خاکم بدہن''

# The Second Imprint of Yousufi's magic: "Khakam Badahan"

**ڈاکٹر محمد شہباز**
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج، سول لائنز، لاہور
**ڈاکٹر عرفان توحید**
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
**وسیم ارشد**
معاون شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

**Abstract:** *In certin respects, Mushtaq Ahmad Yousufi's name stands apart from his contemporaries as far as tradition of Urdu humour and satire is concerned. A ready proof of it is the fact that with publication of his second effort, "Khakham Badahan" he gained attention of readers which has held ever since. Without a doubt the aforementioned writing of Yousufi is credible and cherished asset of Urdu literature. In this article the writer has tried to decipher from a critical and reserach perspective, and analysis of yousufi's "Khakham Badahan".*

**Key Words:** Mushtaq Ahmad Yousufi, Khakham Badahan, Satire, Humour, Self directed humour, Sketch Writing, Tragdy, Professor, Bifocal Club, Adbi Dunya, Coffee

**کلیدی الفاظ:** مشتاق احمد یوسفی، خاکم بدہن، طنز، مزاح، خود برداشتہ مزاح، خاکہ نگاری، المیہ، پروفیسر، بائی فوکل کلب، ادبی دُنیا، کافی

اُردو طنز و مزاح کی روایت میں مشتاق احمد یوسفی اپنی ذات میں ایک دبستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔اُنھوں نے اپنی خلقی صلاحیتوں کے طفیل ایسا مزاحیہ ادب تخلیق کیا، جس کی نظیر اُردو طنز و مزاح کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔یہ درست ہے کہ اُنھوں نے اپنی اولین تخلیق ''چراغ تلے'' (۱۹۶۱ء) سے ہی اقلیمِ طنز و مزاح میں اپنے فن کی دھاک بٹھا دی، مگر اُن کے ہنر و کمال کا دوسرا نقش یعنی، ''خاکم بدہن''(۱۹۶۹ء) تو اُن کی نام وری کا اٹمل استعارہ ثابت ہوئی۔تاہم واضح رہے کہ ''چراغ تلے'' کے آٹھ برس بعد ''خاکم بدہن'' کا ظہور محض ''نقاش نقشِ ثانی بہتر کند زاوّل'' والی بات نہیں، بل کہ ذہنی و فکری ارتقا کا جیتا جاگتا ثبوت بھی ہے۔(۱) اِس مجموعے کے عنوان پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اِس میں ضمیر بھی مقامِ اشتباہ پر لگی ہوئی ہے، یا شاید صاحبِ کتاب نے دانستہ طور پر لگائی ہے، یعنی کس کی خاک اور کس کے منہ میں؟ یوسفی نے صورتِ حال اِس قدر گمبھیر بنا دی ہے کہ قاری سوچتا ہی رہ جائے۔(۲) ''خاکم بدہن'' کے پانچ مضامین نے کراچی(۳)، جب کہ تین مضامین نے لاہور(۴) کی نگری میں رہتے ہوئے جنم لیا۔اِس مجموعے کا ایک مضمون ''ہوئے مر کے ہم جو رُسوا'' ماہ نامہ ''ادبی دُنیا لاہور''، (۵) جب کہ ''چند تصویر بتاں'' سہ ماہی ''فنون لاہور'' میں چھپ چکے تھے۔

''خاکم بدہن'' میں طنز و ظرافت ایک نئی تازگی و روانی اور نئی سج دھج کے ساتھ یوسفی کے مضامین میں منور ہے۔اِس مجموعے کے مشمولات میں کل آٹھ مضامین اور خاکوں کے علاوہ ''دستِ زلیخا'' کے نام سے ایک دیباچہ بھی شاملِ کتاب ہے۔''چراغ تلے'' کی طرح اِس مجموعے کا عنوان بھی رمز و اشاریت لیے ہوئے ہے۔اِس مجموعے کے مضامین ضخامت میں ''چراغ تلے'' کے مضامین سے قدرے طویل ہیں۔مزید یہ کہ یوسفی نے مرزا عبدالودود بیگ کی شخصیت کے دیگر خفتہ پہلوؤں سے قارئین کو متعارف کرواتے ہوئے اپنے دوسرے ہم زاد پروفیسر عبدالقدوس بیگ، صبغے اور ضِرغوص ایسے کرداروں سے بھی قارئین کو متعارف کروایا ہے، مگر ا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

س تصنیف میں مرزاعبدالودود بیگ شروع سے آخر تک اتنے زیادہ موجود ہیں کہ پوری کتاب ہی مرزاعبدالودود بیگ کے ملفوظات یا سوانح معلوم ہوتی ہے۔(۶)اِس تصنیف میں مرزاعبدالودود بیگ کی موجودگی اِس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ وہ ہمہ وقت یوسفی کے شانہ بشانہ ایک بے باک نقاد کی طرح موجود رہتا ہے۔اِس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تنہا ہی مولوی نذیر احمد کے مرزاظاہر دار بیگ اور رتن ناتھ سرشار کے میاں خوجی کے مضحک کرداروں پر بھاری دکھائی دیتا ہے،بل کہ یہ کہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ مذکورہ دونوں کرداروں سے کہیں زیادہ شستہ،شائستہ اور نستعلیق ہے۔ (۷)مختصراً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مرزاعبدالودود بیگ کی رنگارنگ شخصیت کسی گلزار کی مانند ہے،(۸)جس نے اِس تصنیف کو دل کش اُسلوبِ بیان کی خوش بو سے معطر بنادیا ہے۔مزید یہ کہ اِس کتاب میں یوسفی کا معیارِ مزاح مزید نکھرا ہوا اور فکری وفنی اعتبار سے سلجھا ہوا محسوس ہوتا ہے۔اِس تصنیف میں موجود مضامین،یعنی صبغے اینڈ سنز ،سیزر،ماتاہری اور مرزا،بارے آلو کا کچھ بیان ہو جائے،پروفیسر،ہوئے مر کے ہم جو رُسوا،ہل اسٹیشن،بائی فوکل کلب اور چند تصویرِ بتاں کو یوسفی نے ''خاکے''اور''مزاحیے''قرار دیا ہے۔

محلِ نظر رہے کہ اپنی اوّلین تصنیف''چراغ تلے''کے مقدمہ''پہلا پتھر''کو تحریر کر کے مشتاق احمد یوسفی نے دیباچہ نگاری کا جو معیار قائم کیا تھا،اُنھوں نے اپنے دوسرے مجموعے''خاکم بدہن''کے مقدمہ''دستِ زلیخا''میں بھی اُس معیار کو وقار کے درجے سے نہیں گرنے دیا۔''چراغ تلے''میں مزاح کے عناصر زیادہ تھے،جب کہ''خاکم بدہن''میں طنز ومزاح کا معیار یکساں صورت میں دکھائی دیتا ہے۔اِس مجموعے میں بھی حسبِ روایت دیباچے سے ہی مسکراہٹوں کی رِم جھم شروع ہو جاتی ہے۔''دستِ زلیخا''کا آغاز بابائے انگریزی ڈاکٹر سموئیل جانسن (Dr. Samuel Johnson)(۱۷۰۹ء-۱۷۸۴ء)کے اِس پُر تفنن جملے سے ہوتا ہے:

''جو شخص رُوپے کے لالچ کے علاوہ کسی اور جذبے کے تحت کتاب لکھتا ہے،اُس سے بڑا احمق رُوئے زمین پر کوئی نہیں۔'' (۹)

''چراغ تلے''کے تلمیح آمیز عنوان''پہلا پتھر''کی طرح''خاکم بدہن''کے دیباچے کا عنوان بھی''دستِ زلیخا''یعنی یوسف وزلیخا کی تلمیح سے اخذ کیا گیا ہے۔اِسی تلمیح کے پس منظر میں یوسفی لکھتے ہیں:

''ایک پیمبر کے دامن پر پڑنے والا ہاتھ گُستاخ ضرور ہے،مگر مُشتاق و آرزومند بھی ہے۔ یہ زُلیخا کا ہاتھ ہے۔ خواب کو چھو کر دیکھنے والا ہاتھ۔'' (۱۰)

''دستِ زلیخا''کی تلمیح کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ عزیز مصر پوتیفار(Potiphar)کی اہلیہ زلیخا،جو حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ تھی ۔ایک مرتبہ اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی خواب گاہ میں بلایا۔آپ علیہ السلام سات دروازوں،یعنی''ہفت خانہ'' کو عبور کرتے ہوئے جب حجرۂ زلیخا میں پہنچے تو زلیخا نے آپ علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی،مگر آپ علیہ السلام نے سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ میں پیغمبر زادہ ہوں، میں کیسے گناہ کر سکتا ہوں۔اور یوں بھی میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔زلیخا نے فوراً دوڑ کر کمرے میں موجود بتوں پر پردہ ڈال دیا،مگر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اِن مصنوعی پردوں سے اللہ کی ذات سے کچھ نہیں چھپایا جا سکتا،کیوں کہ وہ ذات ہر چیز کو دیکھنے پر قدرت رکھتی ہے۔اِس پر زلیخا نے آپ علیہ السلام کو پکڑنے کی کوشش کی تو آپ علیہ السلام نے حکمِ خداوندی سے باہر کی جانب دوڑنا شروع کر دیا۔معجزۂ پروردگار سے ساتوں دروازے از خود وا ہو گئے اور آپ علیہ السلام بھاگ کر ہفت خانۂ زلیخا سے باہر نکل آئے،مگر ساتواں دروازہ عبور کرتے ہوئے زلیخا کا ہاتھ آپ علیہ السلام کے کندھے تک پہنچا،جس سے آپ علیہ السلام کی قمیص پھٹ گئی۔جب آپ علیہ السلام دروازے سے باہر نکلے تو سامنے عزیز مصر کو کھڑے پایا۔اُس نے سارا معاملہ دریافت کیا تو زلیخا فوراً بولی کہ آپ علیہ السلام(نعوذ باللہ)میرے ساتھ غلط ارادہ رکھتے تھے۔آپ علیہ السلام نے سارا واقعہ بیان کیا تو عزیز مصر نے گواہ مانگا۔آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک چھ ماہ کا چھوٹا سا بچہ جو زلیخا کا خالہ زاد ہے،وہ میری گواہی دے گا۔اِس پر اُس معصوم بچے نے منشائے الٰہی سے گواہی دی کہ اگر پوشاک سامنے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے اور اگر پیچھے سے پھٹی ہے تو آپ علیہ السلام حق پر ہیں،مگر جب ملاحظہ کیا گیا تو قمیص پیچھے سے پھٹی تھی،اِس پر عزیز مصر نے زلیخا کی توبیخ کی اور کہا کہ یہ سب تم عورتوں کا مکر ہے اور پھر اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں ڈال دیا اور سالہا سال آپ علیہ السلام نے زندان میں گزار دیے۔اسی تاریخی واقعے کو بنیاد بنا کر یوسفی نے اِس مقدمے کا عنوان اخذ کیا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

''دستِ زلیخا'' سے یوسفی کے نظریۂ فن،مزاح کی اہمیت وافادیت اور ایک ظرافت نگار کے فرائض کا بہ خوبی ادراک ہوتا ہے۔(۱۱) یوسفی نے انبساطیہ پہلو سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے مزاح کو انسان کی چھٹی حس قرار دیا ہے۔اُنھوں نے اِس دیباچے میں طنز ومزاح کے متعلق اپنی آرا کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ بعض الفاظ کے تلفظ اور املا کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے،اِس بحث کے پس منظر میں اُنھوں نے اپنے دیرینہ دوست شان الحق حقی کا خاکہ بھی اُڑایا ہے،جس کی وجہ سے یہ دیباچہ طنز ومزاح کے جملہ اوصاف سے مزین ہو گیا ہے۔دوسرے اپنی کتاب پر خود دیباچہ لکھنے سے اُن کی خود اعتمادی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔اپنی تصنیف کا دیباچہ خود لکھنے کے کیا فوائد ہیں،اِس کے متعلق یوسفی لکھتے ہیں:

> ''خود دیباچہ لکھنے میں وہی سہولت اور فائدے مُضمر ہیں،جو خودکشی میں ہوتے ہیں۔یعنی تاریخِ وفات،آلۂ قتل اور موقع واردات کا انتخاب صاحبِ معاملہ خود کرتا ہے۔اور تعزیراتِ پاکستان میں یہ واحد جرم ہے،جس کی سزا صرف اس صورت میں ملتی ہے کہ ملزم ارتکابِ جرم میں کامیاب نہ ہو۔۱۹۶۱ء میں پہلی ناکام کوشش کے بعد بحمد اللہ ہمیں ایک بار پھر یہ سعادت بقلمِ خود نصیب ہو رہی ہے۔تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد۔'' (۱۲)

''خاکم بدہن'' کا پہلا مضمون صبغے اینڈ سنز کے مالک اور سوداگرانِ ناشرانِ کتب شیخ صبغت اللہ کا ایک ایسا دل چسپ خاکہ ہے،جو اُردو ادب کے بہترین خاکوں کی فہرست میں شامل ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔بلامبالغہ یوسفی کی خاکہ نگاری کے بانکپن کو جاننے کے لیے ''صبغے اینڈ سنز سوداگران وناشرانِ کتب'' پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔(۱۳)''صبغے اینڈ سنز'' شروع سے آخر تک ایک ''کائناتی تبسم'' میں رچا ہوا ہے۔(۱۴)اِس خاکہ میں یوسفی نے ہمیں یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ فی زمانہ وطنِ عزیز میں طلبہ اور اساتذہ کا ادبی معیار سطحی سے سطحی ہوتا جا رہا ہے۔ (۱۵)دوسرے اُردو زبان وادب کے حوالے سے لوگوں میں دل چسپی دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے،مگر اس کے باوجود کچھ افراد ایسے بھی ہیں، جو اُردو زبان کی ترویج واشاعت کے لیے اپنی معیشت ومعاش تک کو داؤ پر لگا کر شعر وادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ایسے لوگ امیری سے فقیری اور عشرت سے عسرت کی حد کو پہنچ گئے،مگر اُنھوں نے اپنی زبان کو نہیں چھوڑا۔ایسے ہی لوگوں میں شیخ صبغت اللہ کا شمار ہوتا ہے،جو اپنی دکان میں بہت سی کتابیں اِس لیے نہیں رکھتے کہ اُس کے نزدیک غیر معیاری کتابیں فروخت کرنا زبان و ادب کی خدمت کی بجائے،اُسے زِک پہنچانے کے مترادف ہے ۔ دوسرے بعض مصنفین کی کتب سے وہ کسی نہ کسی موضوع پر ذاتی اختلاف بھی رکھتے تھے،اِس لیے اُن کی کتابوں کو غیر معیاری خیال کرتے ہوئے اُنھوں نے اُن کی تخلیقات کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ایک مرتبہ مرزا عبدالودود بیگ نے اُن سے سوال کیا:

> ''یار! اگر عام پسند کی بھی دو چار کتابیں رکھ لیتے تو گاہک دُکان سے اِس طرح نہ جاتے' جیسے سکندر دُنیا سے گیا تھا۔۔۔دونوں ہاتھ خالی !''
>
> تاجرانہ تبسم کے بعد فرمایا: ''میں صرف معیاری کتابیں بیچتا ہوں۔''
>
> پوچھا: ''معیاری کی کیا پہچان؟
>
> ارشاد ہوا: ''سُنو! میرے ایک قریبی ہمسایے ہیں۔پروفیسر قاضی عبدالقدوس۔چوبیس گھنٹے کتابوں میں جُٹے رہتے ہیں۔لہٰذا میں نے کیا یہ کہ دُکان کھولنے سے پہلے ان سے ان کی اپنی پسندیدہ کتابوں کی مکمل فہرست بنوالی۔پھر ان کتابوں کو چھوڑ کر،اُردو کی بقیہ تمام کتابیں خرید کے دکان میں سجادیں۔اب اِس سے بہتر انتخاب کوئی کر کے دکھادے۔''(۱۶)

اِس خاکے کے مطالعے سے یہ گمان بھی گزرتا ہے کہ یہ خاکہ مولانا ابوالکلام آزاد کی افتادِ طبع کی پیروڈی ہے۔جیسا کہ خود مولانا آزاد نے اپنی طبیعت و مزاج کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

''جس جنس کی عام مانگ ہوئی میری دُکان میں جگہ نہ پا سکی۔ میں نے ہمیشہ اپنی جنس ڈھونڈھ ڈھونڈھ جمع کی جس کا کہیں رواج نہ ہو۔اوروں کے لیے پسند وانتخاب کی جو علت ہوئی وہی میرے لیے ترک واعراض کی علت بن گئی۔''(۱۷)

بلاشبہ ناکام کتب فروش صبغے کا کردار خود کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں دقت محسوس کرتا ہے،یعنی کتب فروشی کی دُکان کھول کر،وہاں اپنی پسند کی ایسی کتابیں ذخیرہ کرنا،جن کی بازار میں کوئی مانگ نہ ہو،اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ لوگوں کے ذوق ومعیار کے معاملے میں کسی بھی طرح کی مفاہمت کے لیے تیار نہیں۔یہ کردار ذوق ومعیار کے اعتبار سے اعلیٰ قدروں کا حامل ہے۔یوسفی نے اِس خاکے میں معاشرے کے پست اخلاقی معیار اور روبہ زوال ادبی ذوق کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔علاوہ ازیں اِس خاکے میں اُنھوں نے روزبہ روز گرتے ہوئے طلبہ اور اساتذہ کے ادبی معیار پر بھی شدید سنگ باری کی ہے۔اِس ضمن میں یوسفی نے شعرا و ادبا کو بھی نہیں بخشا:

''ایک دن میں نے پوچھا اختر شیرانی کی کتابیں کیوں نہیں رکھتے؟ مسکرائے۔فرمایا وہ نابالغ شاعر ہے۔میں سمجھا شاید Minor Poet کا وہ یہی مطلب سمجھتے ہیں۔میری حیرانی دیکھ کر خود ہی وضاحت فرمادی کہ وہ وصل کی اس طور پر فرمائش کرتا ہے گویا کوئی بچہ ٹافی مانگ رہا ہے۔'' (۱۸)

مختصر یہ کہ اِس خاکے میں یوسفی نے صبغت اللہ کی شخصیت کو نفسیاتی پہلوؤں سے اُجاگر کیا ہے اور قارئین کو طنز ومزاح کے پیرائے میں یہ احساس دلانے کی سعی کی ہے کہ نئی نسل اپنی زبان و ادب سے بیگانہ ہوتی جارہی ہے۔صبغے کے کردار نے جس طرح اکتاہٹ وبے زاری کا چغا پہن رکھا ہے،اِس سے قاری کے دل میں ہنسی سے کہیں زیادہ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اِس میں ایسے لوگوں کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے،جن کا ادبی ذوق ختم ہوچکا ہے اور اگر ہے بھی تو اُس کا معیار انتہائی پست ہے۔یوسفی نے صبغے کے کردار میں بہ یک وقت المیہ اور طربیہ دونوں پہلو یکجا کر کے پیش کیے ہیں۔وہ نہ تو اپنی اُلٹی سیدھی حرکتوں سے اور نہ ہی خدانخواستہ کسی انسانی کم زوری کی بنا پر ہماری دل بستگی کا سامان کرتا ہے،بل کہ اُس کی شخصیت کے مختلف النوع تضادات سے مزاح کے رنگا رنگ پہلو جنم لیتے ہیں۔

''سیزر،ماتاہری اور مرزا''نامی خاکہ میں سیزر(کتا)اور ماتاہری(کتیا)کے علاوہ مرزا کی شخصیت کے گرد خیالات کا تانا بانا بنا گیا ہے۔اِن تین کرداروں کے پسِ پردہ یوسفی نے سماجی برائیوں کو بھی طنز کا نشانہ بنایا ہے۔قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک انگریز اپنے ملک روانہ ہوتے ہوئے یوسفی کو تیرہ ماہ کا امپورٹڈ السیشن(Alsatian)کتا سیزر تحفتاً دے جاتا ہے،گویا یہیں سے یوسفی کی سگ بیتی شروع ہوتی ہے۔اِس خاکے میں ایک سیزر (قیصر روم)نامی کتے کی مختصر سوانح بیان کرتے ہوئے مذکورہ کتے کی شخصیت کے خدوخال کا خاکہ اُڑایا گیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ اُس کی وابستگی،محبت اور خون خوار صلاحیتوں پر بھی اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔یہ درست ہے کہ سیزر آس پڑوس والوں کو پریشان کرتا تھا ، مگر اُس کا یہ وصف فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ وہ وفاداری میں بشرطِ استواری کی بہترین مثال بھی تھا۔واضح رہے کہ یوسفی کو اپنی عملی زندگی میں بھی جانوروں سے خاص رغبت رہی ہے۔کتا،بلی،مرغیاں،خرگوش،مور،حتیٰ کہ بندر(۱۹) تک گھر میں پال کر اُن کی عادات کا براہِ راست مشاہدہ کر چکے تھے۔(۲۰) اُردو کے بے شتر مزاح نگاروں نے کتے کی ذات کو تختۂ مشق بنایا ہے،مگر یوسفی کے ہاں اِس موضوع پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے:

''ایک فرانسیسی ادیبہ کیا خوب کہہ گئی ہے کہ آدمیوں کو جتنے قریب سے دیکھتی ہوں اتنے ہی کتے اچھے لگتے ہیں۔'' (۲۱)

اِس مضمون میں دورِ حاضر کے بعض ایسے افراد پر بھی طنز کیا گیا ہے،جو انسان کے مقابلے میں کتوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔پس منظر میں ماتاہری نام کی ایک کتیا(دوسری جنگِ عظیم کی جاسوس)کے ساتھ ساتھ یوسفی کے ہم زاد مرزا موصوف بھی موجود ہیں۔اِس میں یوسفی نے کتوں کے مختلف ناموں اور نسلوں کا بھی ذکر کیا ہے۔دل چسپ امر یہ ہے کہ یہ خاکہ مزاحیہ رنگ میں شروع ہوتا ہے،مگر اِس کا انجام بڑا الم ناک ہے۔سیزر کے حادثے کا شکار ہونے کا منظر یوسفی نے اِس انداز میں کھینچا ہے کہ قاری ہنستے ہنستے اچانک ایک بحرِ تفکر میں ڈوب جاتا ہے اور قاری کو ایسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے گھر کا کوئی فرد مر گیا ہو۔اِس مقام پر آکر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

مرنے والا محض ایک کتا نہیں رہ جاتا، بل کہ ایک قریبی رفیق و حبیب کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اختتام پر سوگواری کی کیفیت چھا جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ خاکہ کامیڈی اور ٹریجڈی دونوں کے اتصال کی بہترین مثال ہے۔ ''طربیہ'' مزاج سے شروع ہو کر ''المیہ'' کیفیت پر منتج ہونے والی یہ تحریر بلاشبہ ''خاکم بدہن'' کی نمائندہ تحریروں میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔(۲۲) بہ قول نورالحسن ہاشمی:

''یوسفی کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والا پڑھتے پڑھتے سوچنے لگتا ہے اور ہنستے ہنستے اچانک چپ ہو جاتا ہے، اکثر اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔'' (۲۳)

انسانی فطرت میں پسند و ناپسندیدگی کا اظہار، طبعاً، وراثتاً اور نفسیاتاً وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ''چراغ تلے'' کی ایک تحریر ''کافی'' میں بھی یوسفی نے انسانی فطرت کے مذکورہ پہلوؤں کو بیان کیا تھا۔ احوالِ واقعی یہ ہے کہ یوسفی کو آلو پسند نہیں، جو اتفاق سے انگریزوں کی مرغوب ترین غذا ہے۔ اِس چڑنے یوسفی کو یہ جان دار مضمون لکھنے پر اُکسایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''بارے آلو کا کچھ بیان ہو جائے'' میں یوسفی نے آلو کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔ یوسفی آلو سے تیار ہونے والی مختلف النوع ڈشوں کا ذکر کر کے قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ مثلاً: آلو مٹر، آلو میتھی، آلو گوشت، آلو بریانی، آلو سوختہ و کوفتہ، آلو بڑیاں، آلو سموسہ، آلو رائتہ، آلو کا بھرتا، آلو کیماں (قیماں)، آلو کی کھیر، آلو مسلم، پوٹے ٹوکٹ، آلو دو نیم، آلو چھلکے دار اور آلو نیم عریاں ایسے کھانوں کے نام یوسفی کے وسعتِ علمی کا واضح ثبوت ہیں۔ اُنھوں نے کولمبس (Christopher Columbus) (۱۴۵۱ء۔۱۵۰۶ء) کو محض اِس بات پر جنت کا حق دار ٹھہرایا ہے کہ اُس نے امریکہ دریافت کر کے اہلِ دنیا کو دو نعمتوں سے روشناس کروایا ایک تمباکو اور دوسرا آلو۔ آلو کی مدح میں یوسفی لکھتے ہیں:

''سستا اتنا کہ آج تک کسی سیٹھ کو اس میں ملاوٹ کرنے کا خیال نہیں آیا۔ ''اسکنڈل'' کی طرح لذیذ اور رُود ہضم! وٹامن سے بھرپور، خوش ذائقہ، صوفیانہ رنگ، چھِلکا زنانہ لباس کی طرح۔ یعنی برائے نام۔'' (۲۴)

مگر جب وہ آلو کی مذمت پر آتے ہیں تو آلو کو مختلف النوع امراض کا پیش خیمہ قرار دینے سے بھی باز نہیں آتے۔ اِس طویل القامت مضمون میں ضمناً کئی اور قصے بھی سرایت کر گئے ہیں۔ کہیں ہوٹل کا ذکر تو کہیں آلو کی کاشت کی باتیں، کہیں کاربوہائیڈریٹ کے کرشموں کی جلوہ نمائی تو کہیں حمیرہ کا قصہ اِس تحریر کی زندگی بڑھاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ مضمون تیرہ ذیلی عنوانات کا بوجھ بھی اُٹھائے ہوئے ہے۔ اِسے اوّل تا آخر پڑھ جایئے، مگر یہ فیصلہ نہیں ہوتا کہ یوسفی نے یہ تحریر آلو کی مدح میں لکھی ہے کہ مذمت میں، لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ یوسفی جب آلو کی تعریف کرتے ہیں تو قاری اُن کا ہم خیال بن جاتا ہے اور جب وہ آلو کی ہجو میں اِس کی برائیاں بیان کرتے ہیں تو اِس مرحلے پر بھی قاری یوسفی کے خیالات سے عدم اتفاق کا یارا نہیں کر پاتا، مگر ایک بات ناقابلِ تردید ہے کہ آلو ایسی پھیکی ترکاری کو یوسفی نے کئی اعتبار سے انتہائی چٹ پٹا بنا دیا ہے۔

ازاں بعد اپنے البیلے مضمون ''پروفیسر'' میں یوسفی نے ہمیں پروفیسر ایسی بھولی بھالی اور معصوم مخلوق سے متعارف کروایا ہے۔ زیرِ بحث تحریر پروفیسر قاضی عبدالقدوس ایم اے۔ بی ٹی گولڈ میڈلسٹ (مرزا کی روایت کے مطابق اُنھیں یہ طلائی تمغا مڈل میں بلا ناغہ حاضری پر ملا تھا۔) کا بہترین خاکہ ہے۔ اِس مضمون میں مرزا عبدالودود بیگ کے جلوے بھی دکھائی دیتے ہیں، تاہم اِس مضمون کا مرکزی کردار پروفیسر عبدالقدوس بیگ ہے، جو ہر موقع پر اپنی احمقانہ حرکتوں سے قارئین کے لیے تفریحِ طبع کا باعث بنتا ہے۔ پروفیسر کی دائمی سستی کا اظہار کرتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں کہ پروفیسر چوبیس گھنٹوں میں ایک دفعہ بلا کی چُستی دکھاتے تھے :

''وہ اس وقت جب دن بھر آرام کرسی پر اُونگھتے رہنے کے بعد وہ شام کو آٹھ بجے سونے کے لیے بڑی پُھرتی سے جست لگا کر پلنگ پر چڑھتے تھے۔'' (۲۵)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

یوسفی نے پروفیسر ایسی بے ضرر اور معصوم مخلوق کی زندگی کا بڑا سچا، کھرا اور حسبِ حال خاکہ اُڑایا ہے۔ علاوہ ازیں شعبۂ تعلیم کے منتظمین کی بے سروپا پالیسیوں، فرسودہ نظامِ تعلیم اور برائے نام اصول و قواعد کی ہنڈیا بیچ چوراہے میں پھوڑی ہے۔ ادبی ذوق سے آراستہ یہ کردار ادبی مشغولیات میں شرکت کے ذریعے بھی مزاح کا سامان مہیا کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ ''پروفیسر'' واقعی خاکہ اُڑانے کے صحیح مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ اور یوں بھی یوسفی کے نزدیک:

''آدمی ایک دفعہ پروفیسر ہو جائے'' تو عمر بھر پروفیسر ہی کہلاتا ہے ''خواہ بعد میں سمجھ داری کی باتیں ہی کیوں نہ کرنے لگے۔'' (۲۶)

مضمون ''ہوئے مر کے ہم جو رُسوا'' (۲۷) میں یوسفی نے انسانی فطرت اور نفسیات کی مبنی بر حقیقت تصویریں پیش کی ہیں۔ ''ہوئے مر کے ہم جو رُسوا'' یہ عنوان غالب کے اِس شعر سے اخذ کیا گیا ہے:

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کہیں جنازہ اُٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

ہماری مشرقی روایت میں کسی مرنے والے کی خامیاں یا نقائص بیان کرنا بالعموم مستحسن خیال نہیں کیا جاتا، مگر کیا کیجیے کہ انسانی فطرت بہک کر وہ کچھ کر ڈالتی ہے، جو اُسے نہیں کرنا چاہیے۔ اِس مضمون میں ایک ایسے ہی مرنے والے شخص کی کہانی بیان کی گئی ہے، جو رُسوا بہ دستِ زندہ ہوا۔ (۲۸) اِس میں یوسفی نے روزمرہ زندگی کے واقعات کو مبالغہ کے ساتھ دل چسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ کسی کی موت پر لوگ کس طرح اپنے باطن میں چھپی خباثتوں کا اظہار کرتے ہیں اور موت سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے کس طرح شکوہ و شکایت اور غیبت سے کام لیتے ہیں۔ اِس مضمون میں ایک بوڑھے شخص کی تدفین کے دوران غیر شرعی رسومات اور عملِ تدفین میں شامل افراد کی بے ڈھنگی گفتگو سے مزاح پیدا کیا گیا ہے۔ اِس میں خاص طور پر اُن لوگوں کا مضحکہ اُڑایا گیا ہے، جو چہلم کے موقع پر دبا کے کھانا کھاتے ہیں اور لغو گفتگو کرنے سے بھی باز نہیں آتے اور سب سے بڑھ کر مرنے والے میں ایسی ایسی خوبیاں ڈھونڈ نکالتے ہیں، جو مرحوم کی ذات میں کبھی تھیں ہی نہیں۔ مزید یہ کہ یوسفی نے '' مرحومِ خصوصی'' کا بھی تمسخر اُڑایا ہے، جو ایک فضول سی وصیت کر کے دوسروں کے لیے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جائے عبرت (قبرستان) میں کھڑے ہو کر لوگ دنیاوی گفتگو خاص طور پر غیبت آمیزی سے اپنی زبان کو آلودہ کرتے ہیں، اِس کا بیان بھی دل چسپی سے خالی نہیں۔ مزید یہ کہ یوسفی قبرستانوں میں نئی قبروں کے لیے جگہ کی عدم دست یابی اور بدانتظامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ دن زیادہ دُور نہیں جب کراچی میں مردے کو کھڑا گاڑنا پڑے گا اور نائیلون کے ریڈی میڈ کفن میں اوپر زپ (Zip) لگے گی، تاکہ منہ دیکھنے دِکھانے میں آسانی رہے۔'' (۲۹)

فرحت اللہ بیگ کے مضمون ''مردہ بدست زندہ'' کے مقابلے میں یہ مضمون بہت بہتر ہے، کیوں کہ فرحت اللہ بیگ کے ہاں اِس موضوع پر سرسری اور سپاٹ انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے، جب کہ اِس تحریر میں مرزا کی موجودگی اور قدم قدم پر بے موقع و بے محل تبصرہ نے اِسے پُر لطف بنا دیا ہے۔ اِس تحریر میں طنز و مزاح کا خوب صورت امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ مضمون دل چسپ تو ہے ہی، مگر بعض ایسے سماجی نقائص کی جانب بھی اشارہ کرتا ہے، جو ہمارے سماج میں بری طرح رائج ہو چکے ہیں۔ اِس تحریر میں پسماندگان کی نفسیات کا تجزیہ، انسانوں میں بڑھتی ہوئی مفاد پرستی، بے حسی، اور انسانی رشتوں میں پھیلتی ہوئی بے تعلقی ایسے تُرش حقائق کو بھی منکشف کیا گیا ہے۔ (۳۰) یوسفی سماجی زندگی کی ایک خاص کم زوری پر نشتر زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محلے کی ہر چھوٹی بڑی تقریب میں'' شادی ہو یا غمی ''موجود ہوتے ہیں۔ بالخصوص دعوتوں میں سب سے پہلے پہنچتے اور سب کے بعد اُٹھتے ہیں۔ اِس اندازِ نشست و برخاست میں ایک کھلا فائدہ یہ دیکھا کہ وہ باری باری سب کی غیبت کر ڈالتے ہیں۔ اُن کی کوئی نہیں کر پاتا۔'' (۳۱)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

گرم علاقوں کے لوگ موسمِ گرما میں تبدیلی آب وہوا کی خاطر پہاڑی مقامات کی سیر کرنے جاتے ہیں۔ایک طرف جہاں اُنھیں تفریحی سفر کی بہ دولت گرمی سے نجات ملتی ہے تو دوسری جانب روزمرہ زندگی کے تفکرات سے بھی چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔اِس نوع کے سفر نظارہ ہائے قدرت سے چشمِ باطن کو مسرور وشاداں کر دیتے ہیں، لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ تفریح کے بہانے بعض لوگ کچھ ایسی حرکات میں ملوث ہو جاتے ہیں، جس سے تفریح کا اصل مقصد اکارت ہو جاتا ہے۔اِس نکتے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یوسفی نے اپنے مضمون ''ہِل اسٹیشن'' میں چار دوستوں کے ایک سفر کی داستان کو بیان کیا ہے، جس میں مصنف کے ساتھ مرزا عبدالودود بیگ، پروفیسر قاضی عبدالقدوس اور ضِرغام الاسلام صدیقی ایم۔اے۔ایل۔بی سینئر ایڈووکیٹ عرف ضِرغوص ایسے کردار اِس سفر میں قارئین کے لیے لطفِ طبع کا سامان کرتے ہیں۔یوسفی نے اِس مضمون میں صورتِ واقعہ، مبالغہ، رعایتِ لفظی، تحریف نگاری، عمیق مشاہدہ، آوارہ خرامی اور سفر نامہ کی تکنیک ایسی خصوصیات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔اِس سفر نامے میں یوسفی نے کچھ اپنی اور کچھ دوستوں کی زبانی کوئٹہ شہر کے سیر سپاٹے کی رُوداد بیان کی ہے، جس میں اُنھوں نے ایسے لوگوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے، جو ماضی تمنائی سے باہر نہیں آتے۔اِس سفر نامے میں ضِرغوص اور عبدالقدوس کے کردار باہم متضاد قرار دیے جا سکتے ہیں، کیوں کہ ایک جدید خیالات کا مالک ہے تو دوسرا پرانی روایات کا حامل۔درحقیقت یوسفی نے قدامت پرستی کی زنجیروں میں اسیر اور تنگ نظری کا شکار ایسے لوگوں کا خاکہ اُڑایا ہے، جو قدامت پرستی یا جدیدیت کی روِش اپنانے میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ذرا دیکھیے:

> ''آخر کس باپ کے بیٹے ہیں۔ان کے والدِ بزرگوار مرتے مر گئے، مگر فرنگی کی ریل میں نہیں بیٹھے اور آخر دم تک اس عقیدے پر بڑے اِستقلال سے قائم رہے کہ دوسرے قصبوں میں چاند اتنا بڑا ہو ہی نہیں سکتا جتنا کہ چاکسُو میں۔'' (۳۲)

علاوہ ازیں ''بائی فوکل کلب'' ایک ایسی تحریر ہے، جس میں مصنف نے مستقل بگڑی ہوئی صحت کے پردے میں اپنی مستقل علالت کو تمسخر کا نشانہ بنایا ہے، جس کی بہ دولت اِس مضمون کو یوسفی کی ''علاج بیتی'' بھی کہا جا سکتا ہے۔مزید یہ کہ اِس تحریر میں ڈاکٹروں، حکیموں، طبیبوں، حاذقوں، یوگیوں اور ویدوں کا دل چسپ احوال بھی دل چسپی سے خالی نہیں۔یوسفی نے انسانی آنکھ کو موضوع بنا کر ایک نئے انداز میں ظرافت کی آبیاری کرنے کی سعی کی ہے۔دوہری نظر، یعنی دُور کی نظر اور قریب کی نظر کو ''بائی فوکل (Bifocal)'' کہا جاتا ہے۔بائی فوکل دراصل ایسے عدسے کو کہتے ہیں، جس میں جوڑ ہوتا ہے، دُور کی نظر اور قریب کی نظر والے دو عدسوں کو جوڑ کر اسے بنایا جاتا ہے۔اوپر والا شیشہ دُور کی چیزیں دیکھنے کے لیے اور نیچے والا محض قریب کی اشیا دیکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ایسی عینک کی ضرورت بالعموم چالیس برس کی عمر کے بعد پڑتی ہے۔اِس مضمون میں یوسفی نے جہاں بائی فوکل کلب کی آڑھ میں حکیم جالینوس سے لے کر لکھنؤ کے حاذق طبیب تک کو نشانۂ تضحیک بنایا ہے تو وہیں یونانی طب سے متعلق آیورویدک اور یوگا کے طریقۂ علاج کو بھی نہیں بخشا۔مختصر یہ کہ یوسفی نے اِس میں عینک لگانے والوں کی احتیاجات، مقاصد اور مجبوریوں کو مزاح کے پردے میں بیان کیا ہے۔اِس مضمون میں مرزا کا کردار بہت اہم ہے، جو اپنی بے تکی حکایتوں اور بے سروپا مشوروں سے قارئین کے لیے دل چسپی کا باعث بنتا ہے:

> ''ہمارا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ناک صرف اس لیے بنائی ہے کہ عینک ٹِک سکے۔اور جو بچارے عینک سے محروم ہیں' اُن کی ناک محض زکام کے لیے ہے۔'' (۳۳)

امرِ واقعہ یہ ہے کہ ''چراغ تلے'' اور ''خاکم بدہن'' دونوں تصانیف کی آخری تحریریں غالب کے اشعار سے کشید ہیں۔زیرِ بحث خاکہ ''چند تصویر بتاں'' غالب کے اِس شعر سے ماخوذ ہے:

چند تصویر بتاں ، چند حسینوں کے خطوط

بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

اوّل الذکر مضمون میں تجریدی آرٹ (مصوّری) کو، جب کہ مؤخرالذکر خاکہ میں فوٹو گرافی کے فن میں مہارت نہ ہونے کے سبب مصنف کے دوست احباب کے ساتھ خرابی کا شکار ہونے والے تعلقات کو انتہائی مہارت سے پیش کیا گیا ہے، تاہم واضح رہے کہ یوسفی کی یہ تحریر ''کاغذی ہے پیرہن'' کے مقابلے میں قدرے ڈھیلی اور بے ساختگی کے عنصر سے تہی دکھائی دیتی ہے۔اِس خاکے میں فوٹو گرافی کے پس منظر میں یوسفی نے عریاں تصاویر سے معاشرے پر ہونے والے منفی اثرات اور فوٹو گرافی کی کرتب بازیوں پر گہری چوٹیں کی ہیں۔ہمارے سماج میں بچوں سے لے کر بوڑھوں تک سب کو تصویر کھنچوانے کی جو علت پڑ گئی ہے، اُس پر یوسفی نے گہرا طنز کیا ہے۔اسٹوڈیوز میں کس انداز سے بے ہودہ تصاویر آویزاں کی جاتی ہیں اور اُنھیں سجا سنوار کر فن کارانہ انداز میں عوام کے رُوبرو پیش کیا جاتا ہے، یوسفی نے ہمارے سماج کے اِسی غیر صحت مند پہلو کو انتہائی چابک دستی سے سپردِ قلم کیا ہے۔بعینہٖ عورت کے جسم کے اسفل حصوں کو اُبھار کر سیکس اپیل کے لیے متشدّد بنانا ایک کریہہ فعل ہے ، جس پر یوسفی نے اِس خاکے میں کسی قدر کٹیلے اور چبھتے ہوئے طنزیہ وار کیے ہیں:

> ''دوسرے دن مرزا ایک نئی طرز کے ہوٹل ''مانٹی کارلو'' کے بال رُوم میں اُتاری ہوئی تصویریں دِکھانے آئے۔اور ہر تصویر پر ہم سے اس طرح داد وصول کی جیسے مرہٹے چوتھ وصول کیا کرتے تھے۔یہ اسپین کی ایک اسٹرپ ٹیز ڈانسر (جسے مرزا اُندلُسی رقاصہ کہے چلے جا رہے تھے) کی تصویریں تھیں، جنھیں برہنہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا۔اِس لیے کہ سفید دستانے پہنے ہوئے تھی۔'' (۳۴)

''خاکم بدہن'' کے اِن آٹھ مضامین کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یوسفی نے اِس کتاب کے جملہ مضامین میں اپنے اُسلوب کو عصری مذاق و فکر سے پوری طرح ہم آہنگ کیا ہے۔اِن مضامین اور خاکوں میں اُنھوں نے فنی محاسن کو تخلیقی حُسن کے ساتھ عصری بصیرت و آگہی عطا کی ہے۔یہ مجموعہ اُن کی انشاپردازی کا ایک اعلیٰ نمونہ قرار پانے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔یوسفی نے اِن مزاح پاروں میں کسی ہنگامہ یا وقتی مسائل کا سہارا لیے بغیر محض اپنی جدتِ طبع اور ذہنی جودت سے چھوٹے چھوٹے موضوعات میں جان ڈال دی ہے۔ پہلے مجموعے میں طنز کی بجائے کسی قدر مزاح کا رنگ صاف جھلکتا ہے، جب کہ ''خاکم بدہن ''میں طنز و مزاح کا اعتدال پسندانہ اِشتراک ملتا ہے، جو تفننِ طبع کے ساتھ ساتھ اِصلاح کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔''چراغ تلے'' اور ''خاکم بدہن'' کے مواد میں زبان و بیان، طرزِ نگارش اور فکر و فن کی سطح پر نمایاں افتراق دیکھنے کو ملتا ہے، جس کی بنیادی وجہ اِن دونوں مجموعوں کے درمیان وہ آٹھ سالہ زمانی بعد ہے، جس نے یقیناً یوسفی کے تجربات و مشاہدات کو پختہ سے پختہ تر بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور اِس بات کا اندازہ قاری کو ''خاکم بدہن'' کے مطالعہ سے بہ خوبی ہو جاتا ہے۔(۳۵) بلاشبہ ''چراغ تلے'' کے مقابلے میں ''خاکم بدہن'' کی تحریروں میں کہیں زیادہ وسعت، بوقلمونی اور نیرنگی پائی جاتی ہے۔مزید یہ کہ اِس تصنیف میں علمِ نفسی کا مطالعہ بھی تحسین و ستائش کا تقاضا کرتا ہے، مگر واضح رہے کہ یوسفی کا مزاح اُردو ادب کی واجبی شُدبُد کے حامل قاری کے بجائے ایسے خواص کے لیے ہے، جو اُردو شعر و سخن کی جملہ روایات اور اسالیبِ بیان کے گہرے رمز شناس رہے ہوں۔فی الاصل ایسے قارئین ہی یوسفی کی تحریروں سے محظوظ ہو سکتے ہیں۔(۳۶) حقیقت یہ ہے کہ ''چراغ تلے'' کا مصنف ''خاکم بدہن'' میں بھی قاری کے ذہن سے غائب نہیں ہوتا۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ پہلی منزل سے دوسری منزل تک آتے آتے مصنف کا قلم مضبوط اور خیالات، تجربے اور مشاہدے کی چاشنی میں تر ہو چکے ہیں، تاہم اِس تصنیف کا اندازِ بیان پہلے مجموعے سے کسی حد تک منفرد ہے۔خاکوں اور مضامین کی طوالت کے باوجود از اوّل تا آخر دل چسپی اور شگفتگی کا عنصر برابر قائم رہتا ہے۔کہنا پڑتا ہے کہ ''خاکم بدہن'' اُردو طنز و مزاح کی روایت میں زندہ رہنے والی کتابوں میں سے ایک اہم تصنیف ہے (۳۷)، جس کا تاثر آنے والے زمانوں مزید گہرا ہو کر سامنے آئے گا۔

## حواشی و حوالہ جات


۱۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر، ''خاکم بدہن''، مشمولہ، صاحبِ طرز ظرافت نگار مشتاق احمد یوسفی۔ایک مطالعہ، مرتب، ڈاکٹر مظہر احمد، دہلی: کتابی دُنیا، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۵

۲۔ ابنِ انشا، ''خاکم بدہن''، مشمولہ، صاحبِ طرز ظرافت نگار مشتاق احمد یوسفی۔ایک مطالعہ، ص ۱۷۸

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

۳۔ (۱)''صبغے اینڈ سنز'' (۲) ''سیزر، ماتاہری اور مرزا'' (۳)''ہوئے مر کے ہم جو رُسوا''

(۴)''ہِل اسٹیشن'' (۵)''چند تصویر بُتاں''

۴۔ (۱)''پروفیسر'' (۲)''بارے آلو کا کچھ بیاں ہو جائے'' (۳)''بائی فوکل کلب''

۵۔ ''ہوئے مر کے ہم جو رسوا''، ادبی دُنیا، لاہور (خاص نمبر)، جلد: ۵، شمارہ: ۵، جولائی ۱۹۵۴ء

۶۔ ابنِ انشا، ''خاکم بدہن''، مشمولہ، صاحبِ طرزِ ظرافت نگار مشتاق احمد یوسفی۔ایک مطالعہ، ص ۱۷۹

۷۔ صفدر جعفری، ڈاکٹر، ''مشتاق احمد یوسفی کا فنِ مزاح نگاری''، مشمولہ، مشتاق احمد یوسفی (چراغ تلے سے آبِ گم تک)، مرتبہ: طارق حبیب، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۲۶

۸۔ اختر جمال، ''مشتاق احمد یوسفی کی مزاح نگاری''، مشمولہ، نیرنگِ خیال، جلد: ۵۷، شمارہ: ۶۴۳، ۶۴۴، راولپنڈی: ۱۹۸۱ء، ص ۶۸

۹۔ مشتاق احمد یوسفی، خاکم بدہن، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۱۹۹۷ء، ص ۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۹

۱۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''خاکم بدہن''، مشمولہ، نیا دور، شمارہ: ۵۳، ۵۴، کراچی: س۔ن، ص ۳۰۹

۱۲۔ مشتاق احمد یوسفی، خاکم بدہن، ص ۷

۱۳۔ مجیب الاسلام، ڈاکٹر، ''مشتاق احمد یوسفی کا فن''، مشمولہ، اُردو کے اہم مزاح نگار، مرتب، اسد اللہ نیازی، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۱۲ء، ص ۲۰۹

۱۴۔ ابنِ اسماعیل (مؤلف و مرتب)، اُردو طنز و مزاح۔احتساب و انتخاب، سری نگر: گلشن پبلشرز، ۱۹۸۸ء، ص ۷۹

۱۵۔ مجیب الاسلام، ڈاکٹر، ''مشتاق احمد یوسفی کا فن''، مشمولہ، اُردو کے اہم مزاح نگار، ص ۲۱۰

۱۶۔ مشتاق احمد یوسفی، خاکم بدہن، ص ۱۸، ۱۷

۱۷۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، غبارِ خاطر، مرتبہ: مالک رام، دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۱۹۸۳ء، ص ۹۲

۱۸۔ مشتاق احمد یوسفی، خاکم بدہن، ص ۱۸، ۱۹

۱۹۔ مشتاق احمد یوسفی نے مذکورہ بندر کا نام ''ڈارون'' رکھا ہوا تھا۔

۲۰۔ اسلم فرخی، ڈاکٹر، ''خوشبوئے یوسفی''، مشمولہ، مشتاق احمد یوسفی کچھ یادیں کچھ باتیں، ترتیب و تدوین: آمر شاہد، جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۸ء، ص ۱۵۲

۲۱۔ مشتاق احمد یوسفی، خاکم بدہن، ص ۵۱

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

۲۲۔ روبینہ شاہین،ڈاکٹر،عبدالمتین،ڈاکٹر،''مشتاق احمد یوسفی کے ''خاکم بدہن''میں شامل انشائیوں کا اُسلوبیاتی تکنیکی جائزہ''،مشمولہ،ششماہی خیابان، شمارہ:۳۶،پشاور: ۲۰۱۷ ء،ص۶۹

۲۳۔ بحوالہ محمد طاہر،ڈاکٹر،مشتاق احمد یوسفی کی ادبی خدمات،اعظم گڑھ:شعبۂ اُردو شبلی نیشنل پوسٹ گریجوایٹ کالج،۲۰۰۳ء،ص۱۱۸

۲۴۔ مشتاق احمد یوسفی،خاکم بدہن،ص۷۵

۲۵۔ ایضاً،ص۹۴

۲۶۔ ایضاً،ص۹۳

۲۷۔ یہ مضمون ''ادبی دُنیا''،لاہور(خاص نمبر)،جلد:۵،شمارہ:۵میں شائع ہوا۔

۲۸۔ بی بی رضاخاتون،ڈاکٹر،اُردو طنز ومزاح کا یوسفِ ثانی،مشتاق احمد یوسفی،جہلم:بک کارنر،۲۰۱۸ء،ص۶۸

۲۹۔ مشتاق احمد یوسفی،خاکم بدہن،ص۱۲۰

۳۰۔ بی بی رضاخاتون،ڈاکٹر،اُردو طنز ومزاح کا یوسفِ ثانی،مشتاق احمد یوسفی،ص۴۱

۳۱۔ مشتاق احمد یوسفی،خاکم بدہن،ص۱۱۷

۳۲۔ ایضاً،ص۱۳۸

۳۳۔ ایضاً،ص۱۷۳

۳۴۔ ایضاً،ص۱۹۷

۳۵۔ محمد طاہر،ڈاکٹر،مشتاق احمد یوسفی کی ادبی خدمات،ص۱۱۴،۱۱۵

۳۷۔ نامی انصاری،''فنِ یوسفی''،مشمولہ،سوغات،شمارہ:۳،بنگلور،ستمبر ۱۹۹۲ء،ص۱۲۶

۳۸۔ ظہیر فتح پوری،ڈاکٹر،''مشتاق احمد یوسفی کا نیا مجموعہ ''خاکم بدہن''،مشمولہ،فنون،جلد:۱۲،شمارہ:۳،۲،لاہور:دسمبر ۱۹۷۰ء، جنوری ۱۹۷۱ء ،ص۵۷